سلیم کے نام ...... دوسرا خط

از جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویز

سلیم تم درست کہتے ہو کہ جمعۃ الوداع کے دن جامع مسجد میں قریب پچاس ہزار مسلمانوں کا اجتماع ہوگا۔ اور تم نے یہ بھی ٹھیک کہا کہ اس عظیم الشان گروہ کے ایک آواز پر جھکنے اور اٹھنے کی ہم آہنگی کا نظارہ بڑا دلکش تھا۔ اس کی دلکشی تو اس سے بھی ظاہر ہے کہ بڑے بڑے سیاح آپ کے اس "تماشے" کی تصویریں لینے بڑی بڑی دور سے آتے ہیں۔ اور ان کے لیے مسجد کے سب سے زیادہ موزوں مقام پر ان حضرات کی طرف سے سہولتوں کے سامان بہم پہونچائے جاتے ہیں جن سے اگر تصویر کشی کا فتوی مانگا جائے تو کبھی تکفیر سے ورے بات نہ کریں۔ یہ تو تھا جملۂ معترضہ۔ لیکن سلیم! میں پوچھتا ہوں کہ مسلمانوں کے اس قدر ہجوم میں کتنے انسان تھے کہ جسمانی حرکات کی ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ ان کے قلوب بھی ہم آہنگ ہوں۔ اسلام اتحاد خیال کے بعد کہ جسے اصطلاح میں ایمان کہا جاتا ہے، اتحاد عمل کا سبق سکھانے آیا تھا۔ اور اس اتحاد کی بہترین شکلیں اسی قسم کی اجتماعی عبادات تھیں۔ لیکن ذرا غور کرکے بتاؤ تو سہی کہ اس ظاہری اتحاد عمل میں حقیقی اتحاد عمل کا جذبہ کس حد تک کارفرما تھا؟ اسے بھی چھوڑ دو۔ یہ بتاؤ کہ اس ہزارہا کے مجمع میں کتنے مسلمان تھے کہ جسم کے رکوع و سجود کے ساتھ ساتھ ان کے قلوب بھی مالک حقیقی کے حضور جھکتے چلے جا رہے ہوں۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ مولوی صاحبان ادھر سے ادھر صف بہ صف وعظ کہتے پھرتے تھے معلوم ہوتا تھا کہ امت کی نجات و سعادت کے دروازے کھلے جا رہے ہیں۔ وہ یہ بتاتے تھے کہ صفیں کس طرح سیدھی کرنی چاہئیں۔ دونوں پاؤں کے درمیان فاصلہ کس قدر ہونا چاہیے۔ کندھے کے ساتھ کندھا نہ ملنے سے کس قدر عذاب ہوگا۔ لیکن سلیم! ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ بتایا کہ مسلمانو تم یہاں جمع

کس غرض کے لیے ہوئے ہو؟ نماز تمہیں کیا پیغام دیتی ہے؟ نماز کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا کیوں ضروری ہے؟۔ ایسے ایسے شاندار اجتماعات سے حقیقی مفہوم کیا ہے؟ یہ اٹھنا بیٹھنا کیا ہے؟ صفیں کیوں سیدھی ہونی چاہئیں؟ امام صرف ایک ہی کیوں ہوتا ہے؟ اور اس کی ایک آواز پر بلاچون وچرا سب کو ایک ہی حرکت کیوں کرنی پڑتی ہے؟ وہ غلطی بھی کرتا ہے تو اس کی غلط متابعت اس وقت کیوں ضروری ہوتی ہے؟ فوٹو اتارنے والے سیاح جب اس نظارہ کو اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں تو مسلمانوں کے اس ضبط وانضباط۔ اس عملی ہم آہنگی کی بیحد تعریف کرتے ہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس حقیقت سے اب وہ بھی آشنا ہو چکے ہیں کہ یہ ضبط وانضباط، یہ عملی ہم آہنگی یہ اتحاد عمل اب صرف جسموں تک ہی محدود ہے۔ قلوب پر ان کا کچھ اثر نہیں۔ یہ ایک رسم ہو کر رہ گیا ہے اس کی روح بالکل بھلائی جا چکی ہے۔ آج دنیا کی ہر قوم اپنی تمام قوت اس بات کے لیئے صرف کر رہی ہے کہ ان کے افراد میں اتحاد عمل پیدا ہو۔ ان کی حرکات میں ہم آہنگی اور یگانگت پیدا ہو جائے۔ وہ ایک "امام متفق علیہ" کی آواز پر سب کے سب جھک جائیں اور سب کے سب اٹھ کھڑے ہوں اب اندازہ لگاؤ کہ جس قوم میں یہ سب باتیں بلا محنت وکاوش خود بخود موجود ہوں، اور اس سے نتیجہ کچھ برآمد نہ ہو، تو اس کو تم بے روح نہ کہو گے تو اور کیا کہو گے۔ اور پھر یہ بھی دیکھو کہ دنیا یہ ضبط وانضباط تلاش کر رہی ہے محض اس لیے کہ اس کی جوع الارضی کی تشنگی کمزوروں کے خون ناحق سے بجھ جائے لیکن مسلمانوں میں یہ ہم آہنگی، یہ اطاعت امیر اس لیے پیدا کی جاتی ہے کہ ان کے قلوب مزکیٰ ہوں۔ ان کی روح میں بالیدگی آئے۔ وہ ہر وقت اللہ کو سامنے رکھیں۔ ان کا جھکنا ہو تو اس کے لیے۔ ان کا اٹھنا ہو تو اس کے لیے ان کی قوتیں کمزوروں کی حفاظت کے لیے ہوں۔ ان کی طاقتیں ضعیفوں کے حقوق کی نگہداشت میں کام آئیں۔ سلیم! اندازہ لگاؤ کہ رمضان کا آخری جمعہ کس قدر نفسیاتی کیفیتیں اپنے اندر رکھتا ہے۔ مہینہ بھر سے خدا کے بندوں میں جسمانی اور روحانی انقلاب پیدا کیا جا رہا تھا ان کو ٹھیٹھ سپاہیانہ

زندگی کا خوگر بنایا جارہا تھا۔ ان کی نگاہوں کو تمام خیانتوں سے۔ ان کے دلوں کو تمام خباثتوں سے پاک کیا جارہا تھا۔ ان سے حلال و طیب چیزیں بھی چھڑائی گئی تھیں کہ نفس شریر کبھی حرام و خبیث چیزوں کی طرف مائل ہی نہ ہو۔ اس کے بعد انہیں ایک جگہ جمع کیا جاتا ہے کہ وہ جائزہ لیں اپنے تمام اعمال کا اور محاسبہ کریں اس انقلاب کا جو ان کے اندر پیدا ہوا ہے۔ اطاعت امیر۔ مرکزیت۔ اتحاد عمل۔ تالیف قلوب کے مظاہرہ سے تجدید ایمان کریں۔ اور اٹھتے اور جھکتے بار بار اس شاہنشاہ کے حضور اس بات کی عملی شہادت دیں کہ۔

اِنَّ صَلاَتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ میری نماز۔ میری قربانیاں۔ میرا مرنا۔ میرا جینا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔

سلیم! تم سمجھتے ہو کہ مزکیٰ و مقدس انسانوں کی یہ جماعت دنیا میں کیا کچھ نہ کرسکتی ہوگی۔ ذرا اسلام کی تاریخ کے زرین اوراق الٹ کر دیکھو کہ ۲ھ میں سب سے پہلے روزے فرض ہوئے اور اسی رمضان کی سترہ تاریخ کو ان روزہ دار نمازیوں کی قوتوں کا امتحان بھی لیا گیا۔ مورخین یورپ کہتے ہیں کہ واٹرلو کی لڑائی نے یورپ کی تاریخ کا نقشہ بدل دیا۔ لیکن ان کی تنگ نگاہیں ذرا اور آگے بڑھتیں تو دیکھ لیتیں کہ ۲ھ کے رمضان میں بدر کے مقام پر جو جنگ ہوئی اس نے دنیا کی ہسٹری کو بدل دیا۔ باطل و ظلمت کی تمام قوتیں اپنے تمام سازوسامان سے آراستہ ہو کر اس بات کے لیے میدان میں نکل آئیں کہ دنیا سے حق و نور کو (معاذ اللہ) مٹا دیا جائے۔ مسلمانوں کی کل کائنات، قریب تین سو نفوس، جو ابھی ابھی اپنا گھر چھوڑ کر، دوسروں کے ہاں آکر پناہ گزیں ہوئے تھے۔ بے سروسامان بظاہر بے کس و بے بس۔ ان کے لئے اب زندگی اور موت کا سوال تھا نہیں! حق و باطل کے غلبہ کا سوال تھا۔ ان روزہ داروں نے کیا کیا۔ اپنے بچوں تک کو لے کر میدان میں آگئے۔ سلیم! ذرا اس موقع کی نزاکت کا اندازہ لگاؤ۔ اس کا احساس اس سے کرو کہ خود سرور دو عالمؐ نے اس لق و دق صحرا میں نہایت عجز و خشوع سے اپنے خدا کو پکارا

اور کہا کہ اے اللہ! تیرے بندوں کی یہ مٹھی بھر جماعت، محض تیرے نام کی حفاظت کے لیے سرکف اس میدان میں جمع ہو گئی ہے۔ اگر آج یہ سب شہید ہو گئے تو دنیا میں تیرا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہے گا۔ مانگنے والے نے ابھی اپنی دعا بھی ختم نہ کی تھی کہ دینے والے نے اسے اپنی رحمتوں سے یوں نوازا۔ کہ

اِنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُرْدِفِیْنَ۔ میں تمہاری مدد کے لیے ہزار فرشتے لگاتار بھیجوں گا

فرشتے تمہاری مدد کے لیے آئیں گے اور وہ آکر کیا کریں گے؟

فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ۔ (انفال) مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط رکھو میں کفار کے دل میں ان کی وحشت طاری کردوں گا۔

فی الحقیقت وہ ملائکہ جنہوں نے خلیفہ فی الارض کو جھک کر سلام کیا تھا۔ اُن کو واقعی اِن کی یوں ہی مدد کرنی چاہیے تھی۔ نہیں سلیم! اللہ تعالیٰ نے یہی نہیں کہدیا کہ تم مزے سے بیٹھے رہو سب کچھ ہمارے فرشتے ہی کر دیں گے۔ بلکہ اس وقت ایک مکمل ضابطہ سامنے رکھدیا کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ ذرا غور سے سنو کہ وہ ضابطہ کیا ہے۔ وہ ہدایات کس قسم کی ہیں۔ فرمایا۔

"اے ایمان والو! جب تم کفار سے میدان جنگ میں آمنے سامنے آؤ۔ تو ان کو پیٹھ مت دکھاؤ۔ یاد رکھو جو ان کو آج کے دن پیٹھ دکھائیگا۔ اِلّا اس بات کے کہ وہ پینترا بدلتا ہو۔ یا اپنی فوج میں آنے کے لیے ایسا کرتا ہو سو اُس پر اللہ کا غضب ہوگا۔ اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

سلیم سنتے ہو کہ مخاطب کون سے مسلمان ہیں! اور غور کرتے ہو کہ اپنی قوم کا ساتھ چھوڑ دینا دشمن کے مقابلہ میں پیٹھ دکھا دینا۔ کس قدر جرم عظیم ہے!

پھر فرمایا۔

"اے ایمان والو! اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور اس سے مت پھرو۔

درانحالیکہ تم سن رہے ہو۔ اور ان لوگوں کی طرح مت ہوجانا جنہوں نے کہدیا کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ سنتے نہیں تھے۔ اے مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کی آواز پر لبیک کہو۔ جس وقت وہ رسول تم کو اس بات کی طرف بلائے جو زندگی بخشنے والی ہے"۔

سمجھتے ہو کہ خدا کی راہ میں "مرجانے" کا نام کیوں "زندگی" رکھا جاتا ہے؟ اس عظیم الشان حقیقت پر غور کرو، موت اور حیات کے سربستہ راز تم پر منکشف ہوجائیں گے۔

پھر فرمایا۔

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے خیانت نہ کرو۔ اور اپنی امانات (کے لوٹانے) میں خیانت مت کرو اور تم جانتے ہو۔ یاد رکھو۔ تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں۔ اور اللہ کے ہاں تو بہت بڑا اجر ہے۔ اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈروگے تو وہ تمہیں ایک امتیازی زندگی عطا کرے گا۔ اور تمہاری فروگذاشتوں سے درگذر کریگا۔ اور تم کو معاف کردے گا۔ اللہ بڑا فضل والا ہے"۔

سلیم! تمہیں معلوم ہے کہ یہ امانات کیا ہیں جن میں خیانت کرنے سے منع کیا گیا ہے؟ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ "اللہ نے مسلمانوں سے ان کے اموال اور خود ان کی جانیں خریدلیں بعوض جنت کے ...... الآیہ"۔ تم دنیا کے قاعدہ سے واقف ہو۔ فرض کرو جب تم کسی دکاندار سے کوئی چیز خریدو اور اس سے کہو کہ بھائی! میں ذرا آگے جاتا ہوں۔ واپسی پر یہ چیز لیتا جاؤں گا۔ تو اب یہ چیز اس بیچنے والے کے پاس امانت ہوگئی۔ جب خریدنے والا آئے اور مانگے۔ تو اس وقت حسن معاملہ کا تقاضا ہے کہ بیچنے والا بلاپس وپیش وہ چیز اصل مالک کے سپرد کردے۔ اب غور کرو کہ اللہ نے کسی خاص مومن کی نہیں بلکہ ہر ایک مومن کا مال اور جان خرید رکھا ہے اور جب تک وہ اسے طلب نہ کرے، اس عبد مومن کے پاس وہ بطور امانت رکھا ہے جس وقت بھی وہ مانگے، اسے حاضر کردینا چاہیے۔ پھر دیکھو

کہ اس کی قیمت کا بیعانہ یہاں کیا ملتا ہے! ایک امتیازی زندگی سلیم! ڈھونڈو۔ آج مسلمانوں کی وہ امتیازی زندگی کہاں ہے!!

پھر فرمایا:-

"اے مسلمانو! جب تم کسی جماعت کے سامنے آجاؤ۔ تو ثابت قدم رہو۔ اور اللہ کو شدت سے یاد کرو۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور آپس میں مت جھگڑو۔ ورنہ تمہارے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ ثابت قدم رہو۔ اللہ ایسے ہی لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے" (انفال)

سلیم سنتے ہو یہ ہدایات کیا ہیں! یہ زندگی کا پیغام ہیں۔ یہ اسلام کی روح ہیں۔ یہ ایک عبد مومن کی تمام عبادات کا مفہوم ہیں۔ یہ صرف ۲ھ کے بدر کے موقع کے وقتی احکام نہیں ہیں بلکہ قیامت تک، جب تک حق و باطل میں آویزش کا امکان ہے، جب تک خیر و شر کا مقابلہ ہے، اس وقت تک کے لیے تمام مسلمانوں کے لیے ایک دستور اساسی ہے۔ ایک لائحۂ عمل ہے۔ یہی ہدایات ہیں جن کی یاد کے لیے رمضان کے روزے، اور ان روزوں کا جمعۃ الوداع ہے۔

سلیم! اب تم خود فیصلہ کرو کہ نتائج پیدا کرنے والے ان تین سو مسلمانوں کے روزے تھے اور نمازیں تھیں یا ان پچاس ساٹھ ہزار کا رسمی اجتماع کہ جس میں مقصد و روح کی طرف کسی کی توجہ نہ ہو تو بھائی! نادان کیوں بنتے ہو۔ کیا تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتے کہ افطاری کے گولے[1] قلعہ کی دیواریں نہیں ڈھا سکتے۔ ہرچند ان کا دھماکا۔ اور دھواں اصلی گولوں ہی کا سا ہوتا ہے۔

عید کے متعلق میں نے تمہیں پچھلے سال بتایا تھا کہ یہ نزول قرآن کریم کی یادگار میں اسلامی جشن ہے

[1] دہلی میں افطار اور سحری کے وقت جامع مسجد سے گولے چھوڑے جاتے ہیں غالباً اور شہروں میں بھی ایسا ہوتا ہوگا۔

تم دنیا بھر کی قوموں کے مختلف جشن و مسرت کے تیوہاروں کو دیکھو ان میں یا تو کسی انسان کی یادگار کا جذبہ پنہاں ہوگا۔ یا مظاہر فطرت کی نیرنگیوں کی تقریب۔ لیکن تم سمجھتے ہو کہ انسانوں کی یادگاریں مٹ سکتی ہیں۔ دنیاوی واقعات بھلائے جا سکتے ہیں تاریخ کے صفحات گم ہو سکتے ہیں۔ بڑی بڑی چٹانوں پر گاڑی ہوئی لاٹھیں، اور ان لاٹھوں پر کندہ کی ہوئی داستانیں زمانے کے ہاتھوں تباہ ہو سکتی ہیں۔ لیکن خدا کے آخری رسول کا وہ ازلی پیغام، جو قرآن کے دفتین میں محفوظ کر دیا گیا ہے کبھی مٹ نہیں سکتا کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اس نے لی ہے۔ جو زندہ ہے، کبھی مر نہیں سکتا، جو قائم ہے کبھی فنا نہیں ہو سکتا۔ وہ باقی ہے وہ زندہ ہے اس کا کلام بھی زندہ ہے۔ یہ جشنِ عید اسی خدائے حیّ قیوم کے زندہ قرآن کے نزول کی یادگار میں ہے اور جب تک دنیا باقی ہے۔ یہ یادگار بھی باقی رہے گی۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ واللہ اکبر۔ اللہُ اکبر وللہِ الحمد۔

پھر جیسے یہ کتاب دنیا کی تمام کتابوں سے انوکھی[1] اور عجیب تر ہے۔ اسی طرح اس کی یادگار بھی دنیا کی تمام یادگاروں سے نرالی ہے۔ دنیا کے جشن انسانوں کی یادگاریں، کھیل تماشے راگ رنگ عیش و نشاط سے منائی جاتی ہیں۔ لیکن شعائر الٰہی کی یادگاریں منانے کے لیے ایک بالکل الگ پروگرام تجویز کیا گیا ہے۔ اس کے لیے مہینہ بھر سے لوگ تیار کیے جا رہے تھے انھیں سکھایا جا رہا تھا کہ اپنے نفس شریر سے تکبر، نخوت، غرور، طغیان، عصیان کے بھوت نکال کر اس میں عجز و انکسار، فراخ حوصلگی اور فراخدلی کے جذبات پیدا کرو۔ جھوٹ، فریب، دغا بازی غداری کو چھوڑ کر راست روی اور راست گوئی کی زندگی اختیار کرو۔ دنیا کی تمام جھوٹی طاقتوں سے منہ موڑ کر اس ایک خدا کے غلام بن جاؤ۔ مانگو تو اس سے مانگو جھکو تو اس کے سامنے جھکو۔ بھوکے اور پیاسے رہ کر اپنے فرائض انجام دو۔ یہ ایک ٹریننگ تھی جو سپاہی کو میدان میں لانے سے پیشتر دی جاتی ہے۔ پورے ایک مہینے کی محنت و

[1] انوکھی اس معنی میں کہ اس سے پہلے کی آسمانی کتابیں اپنی اصل شکل میں باقی نہیں رہیں۔

ریاضت سے قلوب میں تقویٰ پیدا کر دیا تو انھیں اب ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا گیا کہ نیک دل اور پاکیزہ دماغ لے کر سر جوڑ کر بیٹھیں۔ اور سوچیں کہ ہمیں اس امتیازی زندگی کے حاصل کرنے کے لیے کیا کچھ کرنا ہے جو متقیوں کی مومنین کی، مسلمانوں کی خصوصیت ہے اور جس کا وعدہ قرآن کریم میں موجود ہے۔

سلیم! اسلام رہبانیت کا مذہب نہیں۔ دنیا تیاگ دنیا، زیب و زینت سے نفرت کرنا، ہنسی خوشی سے بیزار ہو جانا، یہ اسلام نہیں سکھاتا۔ وہ دنیا میں عزت و وقار، مسرت و شادکامی، سرفرازی و سربلندی کی زندگی بسر کرنا سکھاتا ہے۔ اس لیے اس جشن میں عمدہ کپڑے پہننے سے، اچھے کھانے کھانے سے۔ دوستوں کو تحائف دینے سے، بچوں کے لیے خوشی اور مسرت کے سامان بہم پہونچانے سے اس نے نہیں روکا۔ لیکن جس طرح وہ دنیا کی ہر کامیابی کے وقت خدا کی یاد سامنے لے آتا ہے اسی طرح وہ ہر آسائش و مسرت کے موقع پر خدا کے محتاج و مفلس بندوں کو بھی نہیں بھلاتا۔ (اس وقت سلیم! میں اس مسئلہ کو نہیں چھیڑنا چاہتا کہ ان کے افلاس میں خود ہماری سوسائٹی۔ ہماری اجتماعی تشکیل کی کس قدر ذمہ داری ہوتی ہے۔ یہ کبھی پھر سہی) اس نے یہ حکم دیا ہے کہ جب تم اپنے بچوں کے لیے خوشی اور مسرّت کے سامان بہم پہونچانے لگو۔ تو سب سے پہلے یہ بھی دیکھو کہ غریب اور نادار لوگوں کی مسرت کا کیا انتظام ہے۔ پہلے ان کی خوشی کا سامان کرو۔ پھر جشن میں آؤ۔ کہ جب تک تمہاری قوم کے ادنیٰ و اعلیٰ افراد اس جشن میں شریک نہیں ہوں گے، جشن مکمل نہ ہوگا۔ تمہاری خوشی اِسی میں ہے کہ ساری قوم خوش ہو۔ تمہاری بڑائی اسی میں ہے کہ ساری قوم بڑی ہو۔

سلیم! تمہیں معلوم ہے کہ قوم کی حالت کیا ہے؟ اس کا اندازہ اس سے مت لگاؤ کہ تمہارے سامنے نئے نئے کپڑے پہننے والے مسلمان بیٹھے ہیں۔ قوم کی حالت کا اندازہ لگانا ہو تو جاؤ ان گھروں کے اندر جہاں سے یہ نئے نئے کپڑوں والے نکلے ہیں اور دیکھو کہ کتنے گھر ہیں جن کے

ٹھلے اور ٹھلیاں اوندھی پڑی ہیں کہ کئی دنوں سے ان میں آٹا نہیں پڑا۔ دیکھو کہ کتنے چولہے ہیں جن میں مکڑی نے جالا تن رکھا ہے کہ کئی وقت سے ان میں آگ نہیں جلی۔ دیکھو کہ کتنی شریف عورتیں ضرورت کے لیے گھروں سے باہر نہیں آسکتیں کہ ان کے سروں پر چادر نہیں ہے دیکھو کہ کتنے بچے اور بوڑھے رات بھر الاؤ کے گرد بیٹھے رہتے ہیں کہ اس سردی میں ان کے پاس اوڑھنے کو لحاف نہیں۔ دیکھو کہ کتنے جوان مریض موت کے منہ میں کھنچے چلے جارہے ہیں کہ ان کی دوا کے لیے گھر میں پیسہ نہیں۔ نہیں اس سے بھی آگے بڑھو۔ اور دیکھو کہ کتنے کسان ہیں کہ جن کے بچے بھوکوں مر رہے ہیں کہ ان کی فصلوں کو بارش نے تباہ کر دیا تھا۔ کتنے گھروں کے کمانے والے حوالات میں بند ہیں کہ فصلوں کی تباہی کی وجہ سے وہ مہاجنوں کا قرضہ نہیں اتار سکتے تھے۔ سردی بھوک محتاجی۔ بربادی کے ان ہولناک مناظر کو دیکھو اور پھر اندازہ لگاؤ کہ قوم کی کیا حالت ہے اور اگر تمہارے سینہ میں دل۔ اور دل میں احساس کی کوئی رمق باقی ہے تو اس سے سوچو کہ آج تمہارا یہ جشن مسرت کا جشن ہے۔ یا بربادی کا ماتم ـــــ اسلام یقیناً دنیا تیاگ دینے کا مذہب نہیں۔ لیکن میں پھر ایک دفعہ دہراتا ہوں کہ اس کے نزدیک وہ خوشی جو چند افراد کی خوشی ہو اور باقی قوم کا اس میں کوئی حصہ نہ ہو، خوشی نہیں، ماتم ہے۔ جشن نہیں سوگ ہے سلیم! میں جانتا ہوں کہ خوشی کے موقع پر مصیبتوں اور تکلیفوں کی یاد بدشگونی خیال کی جاتی ہے لیکن آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں، اس میں خوشی کو خوشی سمجھنا، خود اپنے آپ کو فریب دینا ہے۔ دہوکا دینا ہے۔ بلّی کو آتا دیکھ کر کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینا ہے۔

سلیم تم کہدو کہ نہیں! قوم کی حالت کا صحیح اندازہ ان مقامات سے نہ لگاؤ جو میں نے کہے ہیں بلکہ ان سینما ہالوں سے لگاؤ جو چار چار وقت تماشے دکھا رہے تھے۔ ایک دہلی ہی میں قریب سولہ تھیٹر ہیں۔ اگر ایک ایک تھیٹر ہال کی آمدنی پانچ سو روپیہ بھی لگائی جائے (جو عید کے دن کے لحاظ سے بہت

بہت کم ہے) تو بھی ایک دن میں ایک شہر سے کم از کم تیس ہزار روپیہ صرف سینما کے نذر ہو گیا۔ اور حال میں بالخصوص عید کے دن سوائے مسلمانوں کے اور کوئی نظر نہیں آئے گا۔ تم کہہ سکتے ہو کہ جس قوم کی یہ حالت ہو اسے غریب و مفلس کون کہہ سکتا ہے، تم سچ کہتے ہو لیکن بھائی! اس جہالت کے ذمہ دار عوام نہیں کہ ان کو تو ایک وقت کے کھانے کے بعد دوسرے وقت کی ذمہ داری کا احساس نہیں ہوتا۔ اس کی زیادہ ذمہ دار وہ مقدس ہستیاں ہیں جو اخلاق و اقتصادیات کے ایسے حسین مزاروں پر اپنے ہاتھ سے عقیدت کے پھول چڑھا کر عوام کو ان کی زیارت کی دعوت دیتے ہیں۔ اور جب ان سے اس کے متعلق باادب کچھ گزارش کیا جائے تو اپنی لاہوتی زبان میں ایسی توجیہات بیان فرماتے ہیں کہ سرحد اور اٹک سے ادھر کا انسان منہ دیکھتا رہ جائے کہ یا اللہ یہ کس دیس کی بولی ہے؟ تم نے خود ہی تو مجھ سے کہا تھا کہ عین عید کے دن چاندنی چوک کے ایک مشہور تھیٹر (ڈیلائٹ پیلیس) میں جانباز ملکہ کی فلم کا افتتاح حضرت خواجہ حسن نظامی مدظلہ کے مبارک ہاتھوں ہوا تھا۔

اب سلیم! تمہاری آخری بات کا جواب رہ گیا۔ کہ جب ہماری عبادات میں آج وہ روح اور مقصد نہیں رہا تو میں پھر ان کی پابندی اور ان کو قائم رکھنے کی کیوں اس قدر شدت سے تاکید کرتا رہتا ہوں۔ عزیزم! یہ اس لیے کہ جیسا کہ میں کئی بار لکھ چکا ہوں، ہماری نجات و سعادت انہی مناسک و عبادات کی راہوں سے آئے گی۔ اور اس سعادت کے بعد ہماری شوکت و عظمت کے قیام کے ضامن بھی یہی عبادات و مناسک ہی ہوں گے کہ یہ قرآن کریم کا فیصلہ ہے۔ سو اگر آج ہماری قرآن سے دُوری کے باعث ان میں روح نہیں رہی، تو ان کی صورت باقی ضرور رکھی جائے کہ جب اللہ اپنی رحمت سے ہم سے پھر قرآن اٹھلائے گا تو اسی پتلے کے اندر روح آجائے گی۔ اور یہ پھر چلتا، پھرتا، جیتا، جاگتا، انسان بن جائے گا۔ اگر روح خود مٹی تھی اور صورت کو ہم مٹا دیں، تو پھر ہماری نئی زندگی کی کوئی امید باقی نہیں رہے گی۔

اور یوں بھی ان لوگوں کا خاتمہ تو نہیں ہوگیا، جن کی عبادات میں روح باقی ہے، اور وہی روح وہ دوسروں میں بھی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عید کی نماز کے بعد میں نے تمہیں خاموشی سے بیٹھے رہنے کی تاکید کی تھی اگرچہ خطیب کا ایک لفظ بھی تمہارے کانوں تک نہیں آسکتا تھا، اور اگر آتا بھی تو اس سے تمہیں فائدہ کچھ نہ تھا کہ وہ عربی میں تھا اور تم عربی جانتے نہ تھے۔ اور اگر جانتے بھی ہوتے تو بھی اس میں مصالح وقت کی کوئی بات نہ تھی۔ باقی رہا یہ کہ لوگوں نے اس قدر بھاگم دوڑ کیوں شروع کر رکھی تھی سو اس کا جواب مجھ سے نہیں ان مولوی صاحبان سے پوچھئے کہ جو اپنی ذاتی آواز کو دور تک پہنچانے کے لیے ٹیلیفون کا استعمال بالکل جائز سمجھتے ہیں، لیکن اپنے خطبہ کی آواز دور تک پہنچانے کے لئے آلۂ مکبر الصوت کا استعمال ناجائز قرار دیتے ہیں! والسلام۔

توحید و سنت کا علمبردار

الفرقان (بریلی)

الفرقان دین الٰہی کا مبلغ ملت اسلامیہ کا بیباک محافظ۔ مذاہب باطلہ کے مقابلہ میں مسلمان کا بہترین مناظر اور جھوٹے پیروں اور جعلی مولویوں کے لیے موت کا پیغام ہے کتاب و سنت اور اصول فطرت کی روشنی میں دین حق کی تائید و حمایت اور مذاہب باطلہ کی تردید و مخالفت اس کا نصب العین ہے وہ اخلاقی مسائل پر انتہائی متانت اور بے نظیر سنجیدگی کے ساتھ بحث کرتا ہے۔

الفرقان کا ادبی معیار بھی نہایت بلند ہے دوسرے مذہبی صحائف میں جن کی نظیر ملنی بھی دشوار ہے اگر آپ ہندوستان میں توحید و سنت کا بقاء و تحفظ چاہتے ہیں تو آج ہی کی تاریخ سے الفرقان کے خریدار ہو جائیے اور حمایت ملت و احیاء سنت کے فریضہ میں ہمارا ہاتھ بٹائیے۔

(سالانہ چندہ کاغذ قسم اول ۳ قسم دوم ۲ (مینیجر الفرقان بریلی) یوپی